باب۔۲۳

ترجمہ

فص لقمانیہ

حکمت احسانیہ

اذا شاء الالٰہ یرید رزقھا   لہ فالکون بجمعہ غذاء

جو شئے کھائی جاتی ہے فنا ہو جاتی ہے، چھپ جاتی ہے، جب فنائیت آتی ہے تو ساری دنیا

اس میں چھپ جاتی ہے، گویا اس کی غذا ہو جاتی ہے، گویا وہ سب کو کھا گیا، نگل گیا

ممکنات کا ظہور ہوتا ہے تو امدادِ وجود ہم میں مختفی و پوشیدہ ہو جاتی ہے۔ مراتبِ داخلی میں، جو قبل کُن ہیں، ہم خدائے تعالیٰ میں تھے اور مراتبِ خارجی میں، جو بعد کُن ہیں، خدا ہم میں ہے۔

پہلے ہم تھے وحدت میں

اب تو ہم میں وحدت ہے

وان شاء الالٰہ یرید رزقًا   لنا فھو الغذاء کما لشاء

غرض یہ کہ اگر حق تعالیٰ ہم کو رزق دینا (اور) پیدا کرنا چاہتا ہے تو وہ ہماری خواہش کے

موافق وہ خود ہمارا رزق و قوت ہو جاتا ہے

مشیّتہ ارادتہ فقولوا   بھا قد شاءھا فھی المشاہ

اس کی مشیت {جو کلیات و اصول سے متعلق ہوتی ہے} وہی ارادہ ہے، {جو جزئیات سے

وقتِ خلق متعلق ہوتا ہے} تم مشیتِ الٰہی کے تحت گفتگو کرو، جس کو اس نے چاہا وہی ہو کر رہے گا

یرید زیادۃً و یرید نقصًا   ولیس مشاؤہ الّا المشاء

ارادے میں زیادت و نقصان ہے، مشیت تو مشیت ہی ہے، اس میں نہ کمی ہے نہ زیادت

فھٰذا الفرق بینھما فحقق   ومن وجہ فعینھا سواء

مشیت و ارادے ہیں یہی فرق ہے، اس کو محقق و ثابت جان

اور ایک وجہ سے دیکھو تو دونوں کی حقیقت اور ذات ایک ہی ہے

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ،وَلَقَدْ آتَيْنَا لُقْمَانَ الْحِكْمَةَ، (یعنی) ہم نے لقمان کو حکمت دی، (لقمان:۱۲)۔ اور فرماتا ہے ،وَمَن يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا، (یعنی) جس کو حکمت دی گئی اس کو خیرِ کثیر دیا گیا، (البقرۃ:۲۶۹)۔ اس سے بالنّص اور تصریح، (یعنی قرآنی عبارت اور اس کی وضاحت) سے معلوم ہوا کہ لقمان علیہ السلام صاحبِ خیر وکثیر تھے۔ کیوں کہ اس پر شہادتِ الٰہی دال ہے۔

حکمت کیا ہے۔۔؟ حقائقِ اشیا کا جاننا۔ ہر ایک کو اس کا حق دینا۔ ہر شئے کو اس کے محل پر رکھنا۔ حکمت کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) قابل بیان (۲) نا قابل بیان، یا جس سے سکوت اختیار کیا گیا ہے۔۔۔ قابلِ بیان جیسے لقمانؑ کا اپنے فرزند کو کہنا،يَا بُنَيَّ إِنَّهَا إِن تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُن فِي صَخْرَةٍ أَوْ فِي السَّمَاوَاتِ أَوْ فِي الْأَرْضِ يَأْتِ بِهَا اللَّـهُ، (یعنی) بیٹے! اگر کوئی چیز رائی کے دانے کے برابر وزن میں ہو، پھر وہ ہو پتھر کے طبقے میں یا آسمانوں میں یا زمین میں، تو اللہ ہی اس کو لائے گا، (لقمان:۱۶)۔ یہ رازِ حکمت تو صریح مذکور ہے۔ وہ یہ کہ لقمانؑ نے اللہ ہی کو اُس کا لانے والا ظاہر کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتابِ عزیز میں اس کو برقرار رکھا۔ اس کے کہنے والے کے قول کی تردید نہیں فرمائی مگر وہ حکمت جس سے سکوت اختیار کیا گیا اور اس کو بیان نہیں کیا گیا، مگر قرینۂ حال سے معلوم ہو گئی ہے (یعنی واقعات کی تفصیل سے اندازہ لگا لیا گیا ہے کہ)، وہ شخص ہے جس کی طرف وہ دانہ لایا گیا ہے۔ لقمانؑ نے نہ اس کا ذکر کیا نہ اپنے فرزند سے کہا کہ اللہ اس دانے کو تمھاری طرف لایا (ہے) یا تمھارے غیر کی طرف۔ پس ایتان یعنی لانے کو عام چھوڑا، اور موتیٰ بہ یعنی اس شئے کو جس کو اللہ تعالیٰ لاتا ہے، اس کو بھی عام رکھا۔ خواہ آسمانوں میں ہو یا زمین میں۔ اس میں اس امر کی طرف تنبیہ ہے کہ دیکھنے والا دیکھے۔ قولہٗ تعالیٰ ،وَهُوَ اللَّـهُ فِي السَّمَاوَاتِ وَفِي الْأَرْضِ، (یعنی) اور وہی اللہ ہے آسمانوں میں اور زمین میں، (الانعام:۳)۔ پس لقمان علیہ السلام نے تنبیہ کی، بعض حکمت کو بیان کر کے اور بعض سے سکوت اختیار کر کے، کہ حق تعالیٰ ہر معلوم کا عین ہے۔ کیوں کہ معلوم شئے سے بھی عام اور مبہم ترین لفظ ہے۔

پھر لقمان علیہ السلام نے حکمت کو تمام و کمال طور سے بیان کیا، تا کہ اس حکمت میں عالم ونشاءت کا ذکر پورا ہو۔ انھوں نے کہا،إِنَّ اللَّـهَ لَطِيفٌ، (یعنی) بے شک اللہ لطیف ہے، (لقمان:۱۶)۔ اس کی لطافت اور لطف یہ ہے کہ اپنے وجود بالذات (اور) دوسروں کے وجود بالعرض کی وجہ سے وہ ہر شئے خاص میں جو محدود و معیّن ہے، اور خاص اسم کا مسمّیٰ ہے، ان سب میں جلوہ گر بلکہ ان کا عین ہے۔ یہاں تک کہ شئے خاص کے حق میں نہیں کہا جاتا، مگر وہ اسم جو اس پر دلالت کرے، خواہ اتفاقِ اہل لغت سے یا اصطلاحِ گروہ خاص سے۔ جیسے کہا جاتا ہے کہ یہ آسمان ہے۔ زمین ہے۔ پتھر ہے۔ درخت ہے۔ حیوان ہے۔ فرشتہ ہے۔ رزق ہے۔ کھانا ہے۔

حالاں کہ ذات بالذات، موجودِ حقیقی اور عینِ حقہ ایک ہی ہے۔ ہر شئے سے وہی ظاہر ہے اور ہر چیز میں اسی کا جلوہ ہے۔ جیسے، اشاعرہ کہتے ہیں کہ عالم، جوہر کے لحاظ سے ایک ہی طرح پر ہے۔ پس عالم جوہرِ واحد ہے۔ دیکھو! یہ تو ہمارا ہی قول ہے کہ ذات بالذات ایک ہی ہے۔

پھر اشاعرہ نے کہا کہ عالم باوجود جوہرِ واحد ہونے کے اعراض (یعنی علامات) کے لحاظ سے مختلف ہے۔ یہ تو ہمارا ہی قول ہے کہ ذاتِ واحدہ حقہ ہی صور و نسبتوں کے اختلاف کی وجہ سے مختلف اور متکثر (یعنی کثرت والا) ہے تاکہ ممیز ہو جائے۔ پھر کہا جائے کہ یہ وہ نہیں ہے، باعتبار صورت عرض یا مزاج کے۔ جس طرح چاہو کہو۔ یہ اور وہ ایک ہی ہیں، باعتبار جوہر، وذات بالذات، وحقیقت الحقائق کے۔ یہی وجہ تو ہے کہ ذات جواہر صورت و مزاج کی تعریف اور حد میں کی جاتی ہے۔ لہٰذا ہم کہتے ہیں کہ جوہر و اصل سوائے حق کے کچھ اور نہیں۔ کہنے والا گمان کرتا ہے کہ مسمائے جوہر اگرچہ ثابت و حق ہے مگر وہ حق نہیں جس کو اہلِ کشف و تجلی بیان کرتے ہیں۔ یہ حکمتِ دراز ہے، حق تعالیٰ کے لطیف ہونے کا۔

پھر لقمانؑ نے حق تعالیٰ کی صفت بیان کی، خَبِیرٌ، یعنی آزمائش کے ساتھ علم رکھتا ہے اور وہ قول اللہ تعالیٰ کا ہے، وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتَّىٰ نَعْلَمَ، (یعنی) البتہ ہم تم کو آزمائیں گے یہاں تک کہ جان لیں گے، (محمد:۳۱)۔ یہ تو علم ذوقی اور وجدانی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے علم ازلی نفس الامری کے باوجود، خود کو استفادۂ علم کرتا (ہوا) بیان فرمایا ہے۔ جس بات کو حق تعالیٰ قرآن شریف میں اپنی ذاتِ حقہ کے متعلق فرمائے ہم تو اس سے انکار نہیں کر سکتے۔ وہ تو علم ذوق، حادث اور علم مطلق، ازلی میں تفریق فرماتا ہے۔۔۔ علم ذوق تو قوائے روحانی و جسمانی سے مقید ہے۔

وہ اپنے متعلق فرماتا ہے کہ وہ عین قوائے عبد ہے۔ (وہ بحوالہ حدیث قدسی، صحیح البخاري، فتح الباري، تحفة الأحوذي)، فرماتا ہے، کنت سمعه، میں اس کی سماعت ہو جاتا ہوں۔ سماعت تو بندے کی قوتوں میں سے ایک قوت ہے۔ وبصره، اس کی بصارت ہو جاتا ہوں۔ بصارت بھی بندے کی قوتوں میں سے ایک قوت ہے۔ ولسانه، اور اس کی زبان ہو جاتا ہوں۔ زبان تو اعضائے عبد سے ایک عضو ہے۔ ورجله ویده، اور اس کے ہاتھ پاؤں ہو جاتا ہوں۔ دیکھو! صرف قویٰ ہی کے بیان کرنے پر کفایت نہیں کی بلکہ اعضا کا بھی ذکر فرمایا۔ بندہ ہے کیا۔۔؟ یہی اعضا و قویٰ تو ہیں۔ اس کے سوا اور ہے کیا۔ اس سے تو ثابت ہوتا ہے کہ اصل و ذاتِ عبد عین حق ہے۔ مگر ہوشیار! عبد، رب نہیں ہے۔ کیوں کہ نسبتوں کے حقائق باہم متمیز ہیں۔ اور ہویتِ حقہ جس کی طرف سب کی نسبتیں پہنچتی

Siddiqui Publications

ہیں، وہ ان مقیدات و قیود سے علاحدہ نہیں ہے۔ کیوں کہ ان نسبتوں میں سوائے اس کی ذاتِ حقہ کے کوئی اور نہیں۔

پس وہ عینِ واحدہ ہے جس کی نسبتیں، اضافتیں اور صفتیں ہیں۔ لقمانؑ نے اپنے بیٹے کو جو تعلیم دی تھی اس کی تمام حکمت اس آیت میں، ان دو اسماے الٰہیہ میں ہے۔ لَطِيفًا خَبِيرًا۔ اللہ تعالیٰ کو ان دو اسما سے موسوم کیا۔ اگر لقمانؑ اس حکمت و توصیف کو "کون و وجود" بیان کرتے اور کہتے، كَانَ اللَّـهَ لَطِيفًا خَبِيرًا، تو حکمت میں اتم و ابلغ ہوتا۔ لقمانؑ نے جس معنیٰ کو اپنے قول میں ادا کیا تھا اللہ تعالیٰ نے بھی اسی کو فرمایا۔ کسی قسم کی اس پر زیادت نہیں کی۔ اگر، إِنَّ اللَّـهَ لَطِيفٌ خَبِيرٌ، [(یعنی) اللہ یقیناً بڑا باریک بین اور خبر دار ہے، (لقمان:۱۶)] اللہ تعالیٰ کا قول ہو تو اللہ تعالیٰ نے جب جان لیا کہ لقمانؑ اگر اپنے مقولے کو تمام کرتے تو اسی طرح تمام کرتے۔

لیکن لقمانؑ کا قول، إِن تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ، (یعنی) اگر کوئی چیز ہو رائی کے دانے برابر، (لقمان:۱۶)۔ یہ رائی کا دانہ کس کی غذا ہے۔۔؟ وہ تو چھوٹی چیونٹی ہے، جس کا ذکر قولہٗ تعالیٰ میں ہے، فَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ۔ وَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ، [(یعنی) پھر جو شخص ذرّہ بھر نیکی کرے گا وہ اس کو دیکھے گا {پائے گا} اور جو ذرّہ بھر برائی کرے گا وہ بھی اپنے عمل کو دیکھے گا (جیسا کرے گا ویسا ہی پائے گا) (الزّلزال:۷ اور ۸)]۔ ذرّۃ کے دو معنیٰ ہیں۔ ۱) چھوٹی چیونٹی، ۲) باریک خاک ریزے جو دھوپ میں اڑتے ہیں۔ شیخؒ نے ذرّۃ کے معنیٰ چیونٹی کے لیے ہیں۔ پس جو عمل کرے ذرّہ بھر بھلائی، وہ اس کو دیکھے گا۔ اور جو عمل کرے ذرّہ بھر برائی، وہ اس کو دیکھے گا۔ چیونٹی چھوٹی سی (چیز) کھانے والی ہے، اور رائی کا دانہ بھی تھوڑی سی کھانے کی چیز ہے۔ اگر موجودات میں اس سے بھی چھوٹی چیز معلوم ہوتی تو اللہ تعالیٰ بیان کرتا۔ جیسے فرمایا۔ إِنَّ اللَّـهَ لَا يَسْتَحْيِي أَن يَضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوضَةً فَمَا فَوْقَهَا، (یعنی) اللہ نہیں شرماتا کہ مثال بیان کرے مچھر کی (یا اس سے بھی حقیر)، (البقرۃ:۲۶)۔ چوں کہ علم الٰہی میں ہے کہ مچھر سے زیادہ چھوٹے جانور بھی ہیں تو فرمایا، فما فوقھا، (یعنی) یا اس سے مافوق، اس سے زیادہ یعنی چھوٹائی و صغر و خردی میں۔ یہ بھی قول، اللہ تعالیٰ کا ہے اور سورۃ الزّلزال میں بھی اللہ تعالیٰ ہی کا قول ہے۔ اس کو خوب سمجھ رکھو۔ ہم جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے چیونٹی کے وزن پر کفایت نہیں کی۔ اور یہ کہ موجوداتِ عالم میں چیونٹی سے بھی زیادہ چھوٹی چیزیں ہیں۔ اس مسئلے کو اللہ تعالیٰ نے بڑی بلاغت سے بیان فرمایا ہے۔۔۔ واللہ اعلم (اور اللہ ہی بہتر جانتا ہے)۔

لقمانؑ نے یا بنیَّ کہہ کر ان کی تصغیر کیوں کی۔؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ تصغیر رحمت ہے۔ پیار سے اسی طرح کہتے ہیں۔ اس لیے لقمانؑ نے اپنے بیٹے کو ایسی نصیحتیں کیں کہ اگر ان پر عمل کریں تو اس میں ان کی خوش بختی ہے۔

ان کے منہیات و ممانعات کے اسرار یہ ہیں۔۔لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ،(یعنی)بیٹا! اللہ سے شرک نہ کرو، بے شک شرک بڑا ظلم ہے،(لقمان:۱۳)۔ مظلوم کون ہے۔۔؟ مرتبہ و مقام الوہیت ہے۔

کیوں کہ مرتبۂ الوہیت جو نا قابلِ تقسیم و تکثر تھا، شرک سے قابلِ تقسیم و تکثر ہو جاتا ہے۔ ذاتِ الوہیت تو ایک ہی ہے۔ شرک کرنا کیا ہے۔۔؟ خود الوہیت کو الوہیت کا شریک ماننا ہے۔ یہ تو بڑا جہل ہے۔

شرک کرنے کا سبب کیا ہے۔۔؟ ایک شخص جس کو امر واقعی و نفس الامری کی معرفت نہیں۔ نہ اس کو کسی شئے کی حقیقت سے واقفیت ہوتی ہے۔ جب ایک ذات میں مختلف صورتوں کو دیکھتا ہے اور اس کو اس کا علم نہیں ہوتا کہ یہ سب صورتیں ایک ہی ذات کی ہیں تو ایک صورت کو دوسری صورت کا اس مقام میں شریک جانتا ہے۔ اور ہر صورت کو اس مقام میں سے ایک جزو دیتا ہے۔ حالاں کہ معلوم ہے کہ ہر شریک کا جدا جدا حصہ ہے۔ اس تقریر پر حقیقت میں کوئی کسی کا شریک نہیں۔ کیوں کہ ہر شخصِ خاص کو اس مقام مشترک میں سے اس کا حصہ ملا ہے۔۔۔ اب رہ گیا خاص کا عام (سے) شریک ہونا، مثلاً زید کا انسان (سے) شریک ہونا۔ وہ بالبداہت مہمل (یعنی بلاشک بے معنیٰ بات) ہے۔۔۔ غرض یہ کہ شرک کا سبب شرکت غیر معیّن ہے، جیسے ایک گھر میں بلاتعیّن حصہ۔ کئی لوگ رہتے ہیں تو ہر ایک کے تصرف سے ابہام باقی نہیں رہتا۔ بہر حال عام کا عام حکم، خاص پر نہیں لگتا۔ اللہ فرماتا ہے،قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ أَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ أَيًّا مَّا تَدْعُوا فَلَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ، (یعنی) تم اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر پکارو اُس میں شرکت نہیں، جس نام سے پکارو اُس کے لیے اسماے حسنیٰ ہیں،(الاسراء:۱۱۰)۔

لے لے کے مختلف نام تجھ کو پکارتے ہیں
سرگرم جستجو ہیں سارے جہان والے

خدا کے سوا کسی کو کوئی قوتِ تصرف نہیں تو شرک بھی نہ رہا۔ یہی تو روحِ مسئلہ و جانِ تحقیق ہے۔

Siddiqui Publications

وَإِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ

لَّا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ

الرَّحْمَٰنُ الرَّحِيمُ

Siddiqui Publications